© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

اللہ اکبر! قدرت کی کرشمہ سازیاں بھی کس قدر عجیب وغریب اور حیرت انگیز ہیں کہ جس طرح عقلِ انسانی ان کی گرہ کشائی سے آج سے صدیوں پہلے عہدِ جاہلیت میں عاجز و درماندہ تھی۔ آج جبکہ اس نے فطرت کے اسرار ورموز کو اپنے پنجۂ تدبیر سے بڑی حد تک بےنقاب کردیا ہے۔ ایسی ہی عاجز وبے بس ہے۔

غور کیجئے تو تاریخ نے گذشتہ چند دنوں کی ایک کروٹ میں ہی انقلاب وتغیر کی ایسی دور دراز منزلیں طے کرلی ہیں جو صدیوں میں بھی طے نہیں ہوئیں۔ اور اس مختصر مدت میں دنیا کے پردۂ وجود پر ان واقعات وحوادث نے ظہور کیا ہے جو قرنوں میں بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے ان واقعات وحوادث کی کتاب کا ایک ایک صفحہ۔ اور اس صفحہ کی ایک ایک سطر عبرت وبصیرت کی ہزاروں داستانیں سنا رہی ہے۔ اور انسانی قلب ودماغ کو ایک مسلسل مگر پائیدار درسِ نصیحت وموعظت دے رہی ہے۔ فهل من مدّکر؟

کون نہیں جانتا چند ہی مہینوں کی بات ہے۔ موجودہ دنیا کی وہ عظیم ترین شخصیت جس کو لوگ پریسیڈنٹ روزولٹ کے نام سے جانتے تھے اور جس کے دبدبۂ شوکت کا یہ عالم تھا کہ اس کی چشمِ کرم والتفات کی ایک جنبش نے برطانیہ عظمیٰ کی بدنصیبی کو خوش نصیبی سے اور مایوسی وناکامی کو فتحمندی وکامرانی سے بدل دیا تھا۔ بالآخر جب قدرت کے محکمۂ قضا سے خود اس کے لئے فرمانِ اجل صادر ہوا تو ذرا بھی دیر نہ لگی اور وہ دم کے دم میں موت کا شکار ہو گیا۔

فیشسٹ نظامِ حکومت کا وہ عفریت قہر سامان (مسولینی) جس کے کام ودہن سی نکلا ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ایک سانس عالم کے کارخانۂ امن وامان میں ہلچل پیدا کردیتا تھا۔ آخر کار اس کا حشر یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہی ملک کی سرزمین پر خود اپنی ہی فوج کے سپاہیوں کے ہاتھوں انتہائی بے بسی وبے کسی کے عالم میں اپنی داشتہ کے ساتھ بندوق کی گولیوں کی مسلسل بوچھار کا نشانہ بنا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے خاک مذلت ورسوائی کا پیوند ہو کر رہ گیا۔

عصر حاضر کا وہ مجموعۂ طلسمات وعجائبات انسان (ہٹلر) جس کا قدم قدم مادرِ گیتی کے بدن پر خوف وہراس کی لہریں پیدا کردیتا تھا اور جس کے کالبدِ عزم وہمت کی ایک ایک کروٹ سے ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے نقشے بدل جاتے تھے۔ انجام کار دنیا نے دیکھا کہ وہ خود اپنے کاشانۂ امارت وعشرت کی ہی دیوار کے سایہ میں اپنی محبوبہ کے ساتھ اس دردانگیز طریقہ پر نذرِ اجل ہوا کہ آج اس کا کہیں ایسا نام ونشان بھی نہیں ہے جہاں کوئی نوحہ وماتم کے دو آنسو بھی گرا سکے۔"

یہ تو جو کچھ ہوا شخصی عروج وزوال کا ایک عبرت انگیز مرقع تھا۔ اس سے قطع نظر قومی اعتبار سے دیکھئے تو نظر آئے گا کہ جو قوم کل تک اپنے ہر منصوبہ میں کامیاب اور اپنے ہر ارادہ میں فتحمند وکامران تھی۔ اور جس کے جلو میں اقبال ونصرت کی فوجیں جوق در جوق چلتی تھیں۔ گردشِ ایام کی ایک جنبش نے ہی اب اسے "نوائے سوختہ در گلو" کا ایک حیرت افزا پیکر بنا کر رکھدیا ہے۔ اور ابھی کچھ دن ہوئے ان کی بدقسمتی پر دنیا کے تین بڑے انسانوں نے اپنے متفقہ فیصلہ سے ایک حتمی مہرِ تصدیق بھی ثبت کردی ہے۔

اور اس کے برعکس جو فوجیں میدان پر میدان چھوڑتی چلی جارہی تھیں اور دنیا کی انگشت قیافہ شناسی جن کے نبضِ حیات کی مدہم رفتار کا بے چینی سے شمار کر رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے پوری جنگ کا نقشہ یکسر منقلب کر کے رکھدیا۔ چنانچہ آج فتح کا جھنڈا انھیں کے

© rasailojaraid.com

ہاتھ میں ہے اور انہیں ... ظفرمندی کا تاج زرفشاں ان کے سروں کی زینت بنا ہوا ہے

© rasailojaraid.com

تاریخ کے صفحات قوموں کے عروج وزوال کی داستانوں سے تہی مایہ نہیں۔ لیکن آپ کو جستجو کے بعد بھی ان میں کسی ایک ایسی قوم کا حال نہیں ملیگا کہ جس نے کل بارہ سال کی مدت میں انتہائی عروج اور پھر اسی طرح انتہائی زوال دونوں کی منزلوں کو اس سرعت کے ساتھ طے کر لیا ہو۔ اور وہ چند گنتی کے دنوں میں سب کچھ بن جانے کے بعد یکایک پھر کچھ بھی نہ رہی ہو۔

یہ قوموں کی شکست و ریخت اور ان کا یہ عروج وزوال خواہ کتنا ہی درس آموز و عبرت انگیز ہو۔ لیکن ایک سنجیدہ مفکر کے لئے سب سے زیادہ لائق توجہ وہ خاموش انقلاب ہے جو ابھی حال میں انگلستان کے جدید انتخاب سے بطور نتیجہ پیدا ہوا ہے۔ غور کیجئے انگلستان کا سابق وزیر اعظم جس نے درحقیقت اپنی قوم کے حق میں مسیحائی کا کام کیا۔ آج وہ خود اپنی اسی قوم کے ہاتھوں گمنامی اور بے چارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے اور اس طرح جہاں اہلِ برطانیہ نے اپنی آزاد خیالی۔ روشن ضمیری اور عالی دماغی کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیا ہے۔ انھوں نے قطعی طور پر یہ حقیقت بھی ثابت کر دی ہے کہ اب، معاشی اور سیاسی رجحانات کے اعتبار سے دنیا کا رخ کیا ہے؟ اور خارجی و داخلی عوامل و موثرات نے اسے کس طرف چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جنگِ یورپ کے اختتام پر جارج برناڈ شا نے کہا تھا کہ یہ فتح دراصل انگلینڈ والوں کی نہیں بلکہ سوویٹ روس کی فتح ہے۔ اس بنا پر ہمیں اس پر خوشی منانے کا کوئی حق نہیں ہے۔" یورپ کے اس جہاندیدہ بوڑھے نے ڈھائی مہینہ پہلے جو بات کہی تھی انگلستان کے گذشتہ انتخابات نے اُسکی حرفاً حرفاً تصدیق کر دی ہے۔ اور برناڈ شا غریب نے تو جنگ کا سارا کھیل دیکھ لینے کے بعد یہ کہا مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم جنگ کے آغاز ہی میں اس نتیجہ کی پیش گوئی کر چکے تھے۔ جس کی شہادت آج بھی بڑے بڑے علمائے کرام دے سکتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس عظیم جلیل انقلاب کا اثر صرف انسان کی سیاسی اور معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ندگی تک ہی محدود نہ رہیگا۔ بلکہ مذہب اور اخلاق کا بھی اس سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ اس وقت دنیا ایک بالکل نئے سانچہ میں ڈھل رہی ہے۔ پرانے افکار و خیالات کی جگہ نئے رجحانات و میلانات ابھر رہے ہیں۔ زندگی کی نسبت ایک بالکل جدید نقطہ نظر بڑی تیزی سے پرورش پا رہا ہے۔ روحانی اور اخلاقی و مذہبی اقدار روز بروز بے وزن و بے قیمت ہوتے چلے جارہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوصف قطعی طور پر ایک معاشی حیوان بن رہا ہے اور وہ ان تمام چیزوں کو یکسر نظر انداز کرتا جارہا ہے جن کا تعلق انسانی روح کے ارتقا اور اس کے باطن کی سوز و فلاح سے ہے، پھر چونکہ اس نقطۂ نظر کی پشت پر بے پناہ فوجیں اور حکومت و سلطنت کی نہایت مستحکم طاقت و قوت ہے۔ اس بنا پر اس معاشی اور مادی نقطۂ نظر کے تمام دنیا پر چھا جانے کے جو قوی امکانات ہیں ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

حکومت کی ساحری کس طرح محکوم کے احساس اور اس کی قوتِ امتیاز کو ماؤف و معطل کردیتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مگر دلچسپ مثال یہ ہے کہ انگلینڈ میں لیبر پارٹی کے برسر اقتدار آتے ہی ہماری ایک مشہور قومی درس گاہ کے وائس چانسلر نے جس کا بند بند سرمایہ داری کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ پارٹی کے لیڈر کو مبارکباد کا تار بھیجا ہے اور اس میں بڑے فخر سے اس کا اظہار کیا ہے کہ "سوشلزم اسلام سے بہت قریب ہے" گویا اسلام موم کا ایک ایسا مجسمہ ہے کہ اسے جو شکل آپ چاہیں بڑی آسانی سے دے سکتے ہیں۔

ان حالات میں لامحالہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نئے نظامِ عالم کے نقشہ میں مذہب کی کیا حیثیت ہوگی اور اس کے خانہ کو کس طرح پُر کیا جاسکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام واقعی دنیا کا آخری اور سچا مذہب ہے تو اس سوال کا جواب سب سے پہلے مسلمانوں کو دینا چاہیے اور انھیں غور کرنا چاہیے کہ وہ اس سیلاب کا مقابلہ کیونکر اور کس طرح کرسکتے ہیں ورنہ اگر اس نازک وقت پر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اپنی غفلت اور بے حسی کو نہیں چھوڑا تو نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کی اس وسیع سرزمین
انھیں کہیں کوئی ایسا گوشۂ عافیت مل بھی سکے گا یا نہیں جہاں وہ اطمینان سے زندگی کا سانس لے

انسانی تہذیب و تمدن میں جب کبھی کوئی عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے تو عموماً اس کی
پر دو چیزوں کی طاقت و قوت ہوتی ہے ایک قلم اور دوسری تلوار۔ مفکرین اپنی تحریروں
شاعر اپنی شعلہ نوائیوں سے۔ اور آتش بیان مقرر اپنی تقریروں سے لوگوں کے افکار و خیا
میں ایک بحران و تموج پیدا کر کے انھیں کسی ایک خاص فکر سے اس طرح وابستہ کر دیتے ہیں ک
فکر ان کی روح میں تحلیل ہو کر ان کا ایمان اور عقیدہ بن جاتا ہے۔ پھر جب ان میں یہ جذبہ پیدا
ہے کہ وہ اس عقیدہ کی صداقت کو دوسروں پر ظاہر کریں اور ان سے اس کی عظمت و برتر
کا اقرار کرائیں تو اب اس قوم کے سپاہی میدانِ عمل میں آتے ہیں اور جو کام قلم سے تشنۂ تکمی
رہ گیا تھا وہ اسے مکمل کر دکھاتے ہیں۔ آج کی دنیا میں بھی دیکھئے تو یہی دو طاقتیں کام کر رہی ہ
اور انھیں کی موافقت اور عدم موافقت سے قومیں گر رہی اور ابھر رہی ہیں، یہ ایک ایسی کھلی حقیق
ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

پس مسلمانوں کے لئے دین کی حفاظت کا صرف یہی ایک موثر طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک
طرف قلم کے زور سے موجودہ مذہب کش رجحانات و مزعومات کا رخ پلٹنے کی کوشش کریں
اور دوسری جانب وہ اس کی سعی کریں کہ دنیا میں طاقت و قوت کے جو چند دائرے بن رہے ہیں
ان میں سے کسی ایک دائرہ میں ان کو بھی کوئی وقیع مقام حاصل ہو۔ قلم اور تلوار کی طاقت دونو
ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ کسی ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں دیا جا سکتا۔ تلوار کی طاقت کا حصول
بغیر کسی فکرِ صحیح کے سراسر گمراہی ہے اور فکرِ صحیح بغیر تلوار کی طاقت کے محض ایک فلسفہ ہے
مذہب نہیں ہے۔ لسان العصر مرحوم نے خوب کہا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت تو وہ مذہب نہیں ایک فلسفہ ہے

مرحوم کے شاعر حکیم نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

این نکتہ کشائندہ اسرارِ نہانست ملکست تنِ خاکی و دین روح روانست

تن زندہ و جاں زندہ ز ربطِ تن و جانست باسبحۂ و سجادۂ و شمشیر و سناں خیز

از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے عہدِ عروج و ترقی میں سبحۂ و سجادہ اور شمشیر و سنان دونوں کا تعاون اور اشتراک ہی اس بات کا ضامن رہا ہے کہ انہوں نے جب کبھی کسی کو فتح کیا تو . . . . نے مملکت کے ساتھ ساتھ اہلِ ملک کے دل اور دماغ اور ان کی ح کو بھی فتح کرلیا۔

آج مسلمانوں کی اپنی تبلیغیں اور اصلاحی انجمنیں بھی ہیں اور قومی تعلیمی درسگاہیں بھی، ان میں بھی ہیں اور انشا پرداز بھی۔ سیاسی رہنما بھی ہیں اور دینی پیشوا بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مجموعی طور ری ان تمام کوششوں کا رخ ایسا نہیں ہے جس سے ہم دنیا کے بین الاقوامی حالات کا مقابلہ کرسکیں اس طوفان سے بچ سکیں جس کے یکایک امنڈ پڑنے کا امکان اب قوی تر ہوگیا ہے۔

ہماری ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اب تک ہم نے جتنے کام کیے ہیں وہ صرف اپنی ود اور بالکل قریب کی دنیا کو پیشِ نظر رکھکر کیے ہیں۔ حالانکہ ہمیں سمجھنا چاہیے تھا کہ اب دنیا اپنی وسعتوں کے باوجود ایک خاندان یا ایک قبیلہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس بنا پر یورپ میں جو انقلاب پیدا اس سے ایشیا اور افریقہ کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح چین وجاپان اور ہندوستان کی ی صورتِ حال کا اثر ضروری ہے کہ یورپ اور امریکہ پر پڑے۔ جس انقلاب کا اندیشہ تھا اب بظاہر کے پھیل پڑنے کا وقت قریب آگیا ہے اور ہم اب تک اس قابل بھی نہیں کہ چند لمحے اس سیلاب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجوں سے برسرِ آویزش ہی رہ سکیں۔ جو انقلاب اب آرہا ہے خود ہمارے ملک میں برسوں سے اس
زمین ہموار کی جاتی رہی ہے اور شدید ترین پروپیگنڈہ کے ذریعہ نوجوانوں کے دماغوں کو اس طرح
کرلیا گیا ہے کہ یہ انقلاب ہندوستان میں پہنچکر غالباً کوئی اجنبیت محسوس نہ کرے گا۔ بلکہ یہاں
درودیوار سے اس کے خیر مقدم کی آوازیں بلند ہوں گی۔ اس کے علاوہ اگر یہ صورت نہ بھی ہوتی تو ہند
غریب تو یوں بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس بنا پر ہر وہ نظام، ہر وہ فکر، اور ہر وہ تہذ
جو یورپ کی طرف سے آئیگی وہ لامحالہ اسے قبول کرے گا اور ضرور قبول کریگا۔ آپ زبان سے لاکھ چیخیں
چلائیں، شور مچائیں اور واویلا کریں وقت کا کارواں جس رفتار سے چل رہا ہے اور اسے فطرت کی جو
آگے بڑھا رہی ہیں ان کے زور شور اور ذوقِ تیز گامی و سبک پائی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہو سکتا۔ کچھ
بہت توقع ان حکومتوں سے ہو سکتی تھی جو مسلمان کہلاتی ہیں لیکن وہ تو ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ
ہیں۔ اور انقلاب پذیری کی استعداد میں ہم تیرہ بختانِ ہند سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہیں غ
یہ ہی وہ دنیا کا جدید رخ تھا جسے حکیمِ شرق کی چشمِ غیب آشنا نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور اس
بڑے درد اور سوز و گداز سے کہا تھا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

اب آپ پوچھیں گے کہ اچھا! جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب اس کا علاج کیا ہے؟ ہمارے نزد
موجودہ حالات میں اس کی تدبیر کے تین اجزا ہیں اور ان میں سے ہر ایک چیز بجائے خود ایک مستقل اہم
رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام پر زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی
یعنی سعی اس بات کی ہونی چاہئے کہ کم از کم مسلمانوں کا نظامِ تعلیم بالکل الگ ہو اور وہ ایسے اجزا
مرکب ہو کہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد ہماری قوم کے نونہال جہاں بہترین انجنیر، صناع، ارباب
اور علومِ جدیدہ کے ماہر ہوں۔ ساتھ ہی وہ سچے اور پکے مسلمان ہوں اسلامی تہذیب کے دلدادہ ہوں
دینی حمیت کے پیکر ہوں اور اس طرح وہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی سعادتوں اور بھلائیوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع ہوں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ہم میں ایسے اربابِ قلم اور ایسے فنی ماہر مقرر ہونے چاہئیں جو یورپ اور ایشیا کی مختلف زبانوں میں تحریر اور تقریر کی پوری استعداد و صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور ساتھ ہی اسلامی علوم و فنون کے فاضل و مبصر ہوں۔ اس قسم کے حضرات کافی تعداد میں ہندوستان سے باہر جا کر یورپ اور ایشیا میں پھیل جائیں اور مختلف ملکوں میں اپنے ادارے قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کا کام کریں، اُن زبانوں میں اسلام پر کتابیں لکھیں اخبارات اور رسالے شائع کریں۔ پبلک اجتماعات کے موقعوں پر تقریریں کریں۔ غرض یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت کے جتنے طریقے ہیں انھیں کام میں لائیں۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس طرح آپ نے کسی ایک آزاد ملک کے سمجھدار اور با اثر غیر مسلم کو مسلمان کر لیا تو وہ یہاں ہندوستان کے پچاس اچھوتوں کے مسلمان کر لینے سے زیادہ نافع اور مفید ہے پھر ان غیر ملکی مبلغوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہونا چاہئے جو ٹرکی، مصر، ایران، افغانستان اور عراق و فلسطین اور روس کی مسلمان جمہوریتوں میں اسلامی احکام و مسائل کی نشر و اشاعت کرے، اُن کو حقیقی اسلام کی لذت کا متوالا اور والہ و شیدا بنائے۔

غور کیجئے۔ اگر آپ کی ان کوششوں سے کچھ اور نہیں فقط ٹرکی کی پارلیمنٹ کے ارکان اور مصر کے کابینہ وزارت کے عمائد ہی سچے اور پکے مسلمان بنجاتے ہیں تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے اور ان سے اسلام کو کیسی کچھ تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بحمد اللہ تبلیغ کے ولولہ و جوش کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کی کوششوں سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ تبلیغ اولاً کس قوم میں اور کن لوگوں میں کرنی چاہئے۔ کس طرح کرنی چاہئے۔ اور کن لوگوں کو اس کے لئے کس طرح تیار کرنا چاہئے۔ اگر مسلمان اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر کام کر رہے ہوتے تو آج یہ ناممکن تھا کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف سیاسی پارٹیاں قائم ہوتیں اور اسلامی دستور و آئین کی حامی کوئی ایک پارٹی بھی نہ ہوتی۔

تیسری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کو ملک کے سیاسی اقتدار میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کے لئے جد و جہد کرنی چاہئے۔ اور جتنا حصہ بھی ملے اور جب بھی ملے اس سے بہر حال انھیں فائدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں اگر ایک وزیر تعلیم کام کا آجاتا ہے تو وہ محکمۂ تعلیمات
کیا کر دیتا ہے۔ کسی یونیورسٹی کا ایک وائس چانسلر اگر صحیح الخیال اور عملی آدمی ہو تو وہ یونیورسٹی کی
اصلاح کر کے اسے کس قدر مفید اور سود مند بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی یہ پالیسی کہ " یا کھائیں گے
ورنہ جائیں گے جی سے " انھیں سخت نقصان پہنچا رہی ہے اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس وقت
کی سیاسی طاقت میں ان کی صحیح نمائندگی کے نہ ہونے سے انھیں قومی اور جماعتی طور پر کس
نقصانات پہنچ رہے ہیں اور آئندہ اور کس قدر زیادہ نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مقصد صرف اس طرف توجہ دلانا
یہ عرض کرنا ہے کہ اگر واقعی آپ اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعتی اور قو
کو باعزت طریقہ پر قائم و باقی رکھنے کے آرزو مند ہیں تو خدا کے لئے وسعتِ نظر، بیدار مغزی
سے کام لیجئے اور جو کام کرنے کے ہیں انھیں اس طرح کیجئے جس طرح کہ انھیں کرنا چاہیے۔ و
امام مہدیؑ کی آمد کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے کوئی کام نہ ہو سکیگا اور
کے سامنے مسئولیت سے نہ بچ سکیں گے۔

اٹھو و گرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ مہینہ کے برہان میں حضرت مولانا شاہ قاری محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
وفات حسرت آیات کی خبر شائع کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ پرچہ کی پوری کتابت ہو چکی تھی اس
شذرہ نہیں لکھا جا سکا۔ حضرت مرحوم دہلی کے باشندہ تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا قاری رح
مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی کے خلیفہ تھے اور فنِ تجوید و قرأت میں بڑا کمال

© rasailojaraid.com